بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

ترجمان القرآن جن مقاصد کے لیے جاری کیا گیا ہے، وہ محض ایک اردو رسالہ کی اشاعت سے پورے نہیں ہو سکتے۔ ان کے لیے کم از کم ایک بین الاقوامی زبان کو ذریعہ تبلیغ و اشاعت بنانا ضروری ہے۔ تاکہ ایک طرف دنیائے اسلام کے مختلف اقطاع میں، اور دوسری طرف غیر مسلم قوموں میں ہم اپنی دعوت کو پھیلا سکیں۔ جس مرض کا علاج ہم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ صرف ہندوستان اور ہندوستان کے بھی صرف اردو داں لوگوں تک محدود نہیں، بلکہ وہ ایک وبائے عام ہے جو ساری دنیا میں پھیل گئی ہے، اور اس نے مسلمانوں کی بھی اکثر و بیشتر قوموں کو گھیر لیا ہے۔ ایک بے چینی ہے جس سے نوع بشری کی روح مضطرب ہو رہی ہے۔ ایک تشنگی ہے جس کو سارا عالم انسانی شدت کے ساتھ محسوس کر رہا ہے۔ جو غیر مسلم ہیں وہ تو سرے سے جانتے ہی نہیں کہ وہ چشمۂ آب حیوان کہاں ہے جو ان کی پیاس کو بجھا سکتا ہے۔ اور جو مسلمان ہیں وہ اس کو جانتے ہیں، مگر اس کو پیتے نہیں یا پی نہیں سکتے۔ اس کے ساقی اصل منبع کو چھوڑ کر ندیوں اور نالوں پر معتکف ہو گئے۔ اس کے دہانے کو جہالت کے پتھروں سے پاٹ دیا گیا۔ اس کے بجائے گندے اور زہریلے پانی کی نہروں کا ایک جال تمام روئے زمین پر پھیل گیا جس کو بعض نادان اب تک آب حیات سمجھ رہے ہیں اور بہت سے دانا محض اس مجبوری سے پیے جا رہے ہیں کہ ان کو آب حیات کا پتہ معلوم نہیں۔ ایسی حالت میں ایک دو نہیں، بہت سے ایسے منادیوں کی ضرورت ہے جو نہر آب

تو اکناف عالم میں خدا کے بھٹکے ہوئے بندوں کو اس چشمے کی طرف بلائیں جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کی سیرابی کے لیے چھوڑ گئے ہیں، اور صرف بلانے ہی پر اکتفا نہ کریں، بلکہ جو درماندگان راہ اس تک آنے کی قوت نہیں رکھتے ان کے پاس خود اس کا پانی لے کر پہنچ جائیں۔

شرق ہو یا مغرب، مسلمان ہوں یا غیر مسلم بلا استثنا سب ایک ہی مصیبت میں گرفتار ہیں، اور وہ یہ ہے کہ ان پر ایک ایسی تہذیب مسلط ہو گئی ہے جس نے سراسر مادیت کی آغوش میں پرورش پائی ہے! اس کی حکمت نظری و حکمت عملی، دونوں کی عمارت غلط بنیادوں پر اٹھائی گئی ہے۔ اس کا فلسفہ، اس کا سائنس اس کے اخلاق، اس کی معیشت، اس کی معاشرت، اس کی سیاست، اس کے قوانین، غرض اس کی ہر چیز ایک غلط نقطۂ آغاز سے چل کر ایک غلط رخ پر ترقی کرتی چلی گئی ہے، اور اب اس مرحلہ پر پہنچ گئی ہے جہاں سے ہلاکت کی آخری منزل قریب نظر آرہی ہے۔

اس تہذیب کا آغاز ایک ایسی قوم میں ہوا جس کے پاس درحقیقت حکمت الٰہی کا کوئی صاف اور پاکیزہ سرچشمہ نہ تھا۔ مذہب کے پیشوا وہاں ضرور موجود تھے، مگر ان کے پاس حکمت نہ تھی، ان کے پاس علم نہ تھا۔ ان کے پاس خدا کا قانون نہ تھا، محض ایک غلط مذہبی تخیل تھا جو فکر و عمل کی راہوں میں نوع انسانی کو سیدھے رستے پر اگر چلانا چاہتا بھی تو نہ چلا سکتا۔ وہ بس اتنا ہی کر سکتا تھا کہ علم و حکمت کی ترقی میں سد راہ بن جاتا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، اور اس کی مزاحمت کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ ترقی کرنا چاہتے تھے وہ مذہب اور مذہبیت کو ٹھکرا کر ایک دوسرے رستے پر چل پڑے جس میں عقل، حس اور تجربے کے سوا کوئی اور چیز ان کی رہنما نہ تھی۔ یہ ناقابل اعتماد رہنما، جو خود ہدایت اور نور کے محتاج تھے، ان کے معتمد علیہ بن گئے اور ان کی مدد سے انہوں نے فکر و نظر، تحقیق و اکتشاف، اور تعمیر

تنظیم کی راہ میں جتنی سعی و جہد کی، اس کو ہر میدان میں ایک غلط نقطۂ آغاز نصیب ہوا اور ان کی تمام ترقیات کا رُخ ایک غلط منزل مقصود کی طرف پھر گیا، وہ الحاد اور مادیت کے نقطہ سے چلے انہوں نے کائنات کو اس نظر سے دیکھا کہ اس کا کوئی خدا نہیں ہے، آفاق اور انفس میں یہ سمجھ کر نظر کی کہ حقیقت جو کچھ بھی ہے مشاہدات اور محسوسات کی ہے، اور اس ظاہری پردے کے پیچھے کچھ بھی نہیں۔ تجربہ اور قیاس سے انھوں نے قانون فطرت کو جانا اور سمجھا، مگر اس کے فاطر تک نہ پہنچ سکے انہوں نے موجودات کو اپنے لیے مسخر پایا اور ان سے کام لینا شروع کیا، لیکن اس تخیل سے ان کے ذہن خالی تھے کہ وہ بالاصل ان اشیا کے مالک اور حاکم نہیں ہیں، بلکہ اصلی مالک کے خلیفہ ہیں۔ اس جہالت و غفلت نے انھیں ذمہ داری اور جوابدہی کے بنیادی تصور سے بیگانہ کر دیا، اور اس کی وجہ سے ان کی تہذیب اور ان کے تمدن کی اساس ہی غلط ہو گئی۔ وہ خدا کو چھوڑ کر خودی کے پرستار بن گئے، اور خودی نے خدا بن کر ان کو فتنے میں ڈال دیا۔ اب یہ اسی جھوٹے خدا کی بندگی ہے، جو فکر و عمل کے ہر میدان میں ان کو ایسے راستوں پر لیے جا رہی ہے جن کے درمیانی مراحل تو نہایت خوش آیند اور نظر فریب ہیں، مگر آخری منزل بجز ہلاکت کے اور کوئی نہیں۔ وہی ہے جس نے سائنس کو انسان کی تباہی کا آلہ بنا لیا۔ اخلاق کو نفعیت، ریا، خلاعت اور بے قیدی کے سانچوں میں ڈھال دیا۔ معیشت پر سرمایہ داری اور خود غرضی کا شیطان مسلط کر دیا۔ معاشرت کی رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں نفس پرستی تن آسانی، اور خودکامی کا زہر اتار دیا۔ سیاست کو قوم پرستی، وطنیت، رنگ و نسل کے امتیازات اور خداوندِ طاقت کی پرستاری سے آلودہ کر کے انسانیت کے لیے ایک بدترین لعنت بنا دیا۔ غرض کہ وہ تخم خبیث جو مغرب کی نشاۃ ثانیہ کے زمانہ میں بویا گیا تھا، چند صدیوں کے اندر تمدن و تہذیب کا ایک عظیم الشان شجر خبیث بن کر اٹھا ہے، جس کے پھل میٹھے مگر زہر آلود ہیں، جس کے پھول خوشنما مگر خاردار ہیں، جس کی شاخیں بہار کا منظر پیش کرتی ہیں، مگر ایسی زہریلی ہوا اگل رہی ہیں جو نظر نہیں آتی

اور اندر ہی اندر نوع بشری کے خون کو مسموم کیے جا رہی ہے۔

اہل مغرب جنہوں نے اس شجر خبیث کو اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا، اب خود اس سے بیزار ہیں۔ اس نے زندگی کے ہر شعبے میں ایسی الجھنیں اور پریشانیاں پیدا کر دی ہیں جن کو حل کرنے کی ہر کوشش بہت سی نئی الجھنیں پیدا کر دیتی ہے۔ جس شاخ کو کاٹتے ہیں، اس کی جگہ بہت سی خار دار شاخیں نکل آتی ہیں۔ سرمایہ داری پر تیشہ چلایا تو بولشویت نمودار ہو گئی۔ جمہوریت پر ضرب لگائی تو ڈکٹیٹر شپ پھوٹ نکلی۔ اجتماعی مشکلات کو حل کرنا چاہا تو نسوانیت (Feminism) اور برتھ کنٹرول کا ظہور ہوا۔ اخلاقی مفاسد کا علاج کرنے کے لیے قوانین سے کام لینے کی کوشش کی تو قانون شکنی اور جرائم پیشگی نے سر اٹھایا۔ غرض فساد کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو تہذیب و تمدن کے اس درخت سے نکل رہا ہے، اور اس نے مغربی زندگی کو سرتاپا مصائب و آلام کا ایک پھوڑا بنا دیا ہے جس کی ہر رگ میں ٹیس اور ہر ریشے میں دکھن ہے۔ مغربی قومیں درد سے بیتاب ہو رہی ہیں۔ ان کے دل بے قرار ہیں۔ ان کی روحیں کسی امرت رس کے لیے تڑپ رہی ہیں۔ مگر انھیں خبر نہیں کہ امرت رس کہاں ہے۔ ان کی اکثریت ابھی تک اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ مصائب کا سرچشمہ اس شجر خبیث کی محض شاخوں میں ہے، اس لیے وہ شاخیں کاٹنے میں اپنا وقت اور اپنی محنتیں ضائع کر رہی ہے، مگر نہیں سمجھتی کہ خرابی جو کچھ بھی ہے اس درخت کی جڑ میں ہے، اور اصل فاسد سے فرع صالح نکلنے کی امید رکھنا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ دوسری طرف ایک قلیل جماعت ایسے صحیح العقل لوگوں کی بھی ہے جنہوں نے اس حقیقت کو پا لیا ہے کہ ان کے شجر تہذیب کی اصل ہی خراب ہے، مگر وہ صدیوں تک اسی درخت کے سایہ میں پرورش پاتے رہے ہیں اور اسی کے ثمرات سے ان کی ہڈی بوٹی بنی ہے، اس لیے ان کے ذہن یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اس اصل کے بجائے کونسی دوسری اصل ایسی ہو سکتی ہے جو صالح برگ و بار لانے کی قوت رکھتی ہو۔ نتیجہ یہ ہے کہ دونوں جماعتوں کا حال ایک ہی ہے وہ سب کے سب بیتابی کے عالم

کسی چیز کے طالب ہیں، جو ان کے درد کا درمان کرے، مگر انہیں خبر نہیں ہے کہ ان کا مطلوب کیا ہے۔ اور کہاں ہے۔

یہ وقت ہے کہ مغربی قوموں کے سامنے قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو پیش کیا جائے اور انھیں بتایا جائے کہ یہ ہے وہ مطلوب جس کی طلب میں تمہاری روحیں بے قرار ہیں، یہ ہے وہ امرت رس جس کے تم پیاسے ہو، یہ ہے وہ شجر طیب جس کی اصل بھی صالح ہے اور شاخیں بھی صالح جس کے پھول خوشبو دار بھی ہیں اور بے خار بھی جس کے پھل میٹھے بھی ہیں اور جان بخش بھی جس کی ہوا لطیف بھی ہے اور روح پرور بھی یہاں تم کو حکمت ملے گی یہاں تم کو فکر و نظر کے لیے ایک صحیح نقطۂ آغاز ملے گا یہاں تم کو وہ علم ملے گا جو نظری اور عملی دونوں قسم کے علوم کو ایک مستقیم و مستحکم بنیاد فراہم کرتا ہے۔ یہاں تم کو وہ ایمان ملے گا جو انسانی سیرت کی بہترین تشکیل کرتا ہے۔ یہاں تم کو وہ روحانیت ملے گی جو راہبوں اور سنیاسیوں کے لیے نہیں بلکہ کارزار دنیا میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے سکون قلب اور جمعیت خاطر کا سرچشمہ ہے یہاں تم کو اخلاق اور قانون کے وہ بلند اور پائیدار قواعد ملیں گے جو انسانی فطرت کے علم حاوی پر مبنی ہیں اور خواہشات نفس کے اتباع میں بدل نہیں سکتے یہاں تم کو تہذیب و تمدن کے وہ صحیح اصول ملیں گے جو طبقات کے جعلی امتیازات اور اقوام کی وہمی تفریقوں کو مٹا کر خالص عقلی بنیادوں پر انسانی جمعیت کی تنظیم کرتے ہیں۔ اور عدل، مساوات، فیاضی اور حسن معاملت کی ایک ایسی پرامن اور مناسب فضا پیدا کر دیتے ہیں جس میں افراد اور طبقات اور فرقوں کے درمیان حقوق کی کشمکش اور متضاد مصالح کے تصادم اور اغراض و مقاصد کی جنگ کے لیے کوئی موقع باقی ہی نہیں رہتا، اور سب کے سب باہمی تعاون کے ساتھ شخصی و اجتماعی فلاح کے لیے خوش دلی اور اطمینان کے ساتھ عمل کر سکتے ہیں۔ اگر تم ہلاکت سے بچنا چاہتے ہو تو قبل اس کے کہ تمہاری تہذیب ایک ہولناک صدمہ سے پاش پاش ہو کر تاریخ کی برباد شدہ تہذیبوں میں ایک کا اضافہ کرے، تم کو چاہیے کہ اسلام کے خلاف

ان تمام تعصبات کو، جو تمہیں قرونِ وسطیٰ کے مذہبی دیوانوں سے وراثۃً ملے ہیں اور جن کو تم نے اس تاریک دور کی تمام دوسری چیزوں سے قطع تعلق کرنے کے باوجود ابھی تک نہیں چھوڑا ہے، اپنے دلوں سے نکال ڈالو اور کھلے دل کے ساتھ قرآن اور محمدؐ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو سنو، سمجھو اور قبول کرو۔

مسلمان قوموں کا حال مغربی قوموں کے حال سے مختلف ہے۔ مرض اور ہے، اسباب مرض بھی دوسرے ہیں، مگر علاج ان کا بھی وہی ہے جو اہل مغرب کا ہے یعنی اس علم و ہدایت کی طرف رجوع جس کو اللہ نے اپنی آخری کتاب اور اپنے آخری نبی کے ذریعہ سے بھیجا ہے۔

اسلام کے ساتھ مغربی تہذیب کا تصادم جن حالات میں پیش آیا ہے وہ ان حالات سے بالکل مختلف ہیں جن میں اس سے پہلے اسلام اور دوسری تہذیبوں کے درمیان تصادم ہوئے ہیں۔ رومی فارسی ہندی اور چینی تہذیبیں اس وقت اسلام سے ٹکرائیں جب وہ اپنے متبعین کی فکری و عملی قوتوں پر پورے زور کیساتھ حکمران تھا۔ قرآن کا علم ان کے دل و دماغ میں بسا ہوا تھا۔ طریقۂ محمدی ان کی زندگی کا دستور العمل تھا۔ جہاد اور اجتہاد کی زبردست روح ان کے اندر کارفرما تھی۔ روحانی اور مادی دونوں حیثیتوں سے وہ دنیا میں ایک غالب قوم تھے اور تمام اقوام عالم کی پیشوائی کا منصب ان کو حاصل تھا۔ ایسی حالت میں کوئی تہذیب ان کی تہذیب کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکی۔ انہوں نے جس طرف رخ کیا، قوموں کے خیالات، نظریات، علوم اخلاق و عادات اور طرز تمدن میں انقلاب پیدا کر دیا۔ ان میں تاثر کی قابلیت کم اور تاثیر کی قوت بہت زیادہ تھی۔ بلاشبہ انہوں نے دوسروں سے بہت کچھ لیا، مگر ان کی تہذیب کا مزاج اس قدر طاقتور اور مضبوط تھا کہ باہر سے جو چیز بھی اس میں آئی وہ اس کی طبیعت کے مطابق ڈھل گئی۔ اور کسی بیرونی اثر سے اس میں مزاج مختلف پیدا نہ ہوسکا۔ بخلاف اس کے انہوں نے جو اثرات دوسروں پر ڈالے وہ انقلاب انگیز ثابت ہوئے۔ بعض غیر مسلم تہذیبیں تو اسلام میں جذب ہو کر اپنی انفرادیت ہی کھو بیٹھیں، اور بعض جن میں زندگی

کی طاقت زیادہ تھی، وہ اسلام سے اس قدر متأثر ہوئیں کہ ان کے اصول میں بہت کچھ تغیر واقع ہو گیا، مگر یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا۔

مسلمان صدیوں تک دنیا میں قلم اور تلوار کے ساتھ فرمانروائی کرتے کرتے آخر کار تھک گئے۔ ان کی روح جہاد سرد پڑ گئی، قوت اجتہاد شل ہو گئی، جس کتاب نے ان کو علم کی روشنی اور عمل کی طاقت بخشی تھی اس کو انھوں نے محض ایک تبرک یادگار بنا کر غلافوں میں لپیٹ دیا، جس ہادی اعظم کی سنت نے ان کی تہذیب کو ایک مکمل فکری و عملی نظام کی صورت میں متشکل کیا تھا اس کی پیروی کو انھوں نے چھوڑ دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی ترقی کی رفتار رک گئی، بہتا ہوا دریا یکایک جمود کی وادی میں ٹھیر کر تالاب بن گیا۔ امامت کے منصب سے مسلمان معزول ہوئے۔ دنیا کی قوموں پر ان کے افکار، ان کے علوم، اور ان کے تمدن اور ان کے سیاسی اقتدار نے جو قابو پا لیا تھا، اس کی گرفت ڈھیلی ہو گئی۔ پھر اسلام کے بالمقابل ایک دوسری تہذیب نے جنم لیا۔ جہاد اور اجتہاد کا جھنڈا، جس کو مسلمانوں نے پھینک دیا تھا، مغربی قوموں نے اٹھا لیا، مسلمان سوتے رہے اور اہل مغرب اس جھنڈے کو لے کر علم و عمل کے میدان میں آگے بڑھے، یہاں تک کہ امامت کا منصب جس سے مسلمان معزول ہو چکے تھے ان کو مل گیا۔ ان کی تلوار نے دنیا کے سواد اعظم کو فتح کیا۔ ان کے افکار و نظریات علوم و فنون اور اصول تہذیب و تمدن دنیا پر چھا گئے۔ ان کی فرمانروائی نے صرف اجسام ہی کا نہیں، دلوں اور دماغوں کا بھی احاطہ کر لیا۔ آخر صدیوں کی نیند کے بعد جب مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں تو انھوں نے دیکھا کہ میدان ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ دوسرے اس پر قابض ہو چکے ہیں، اب علم ہے تو ان کا ہے۔ تہذیب ہے تو ان کی ہے۔ قانون ہے تو ان کا ہے۔ حکومت ہے تو ان کی ہے۔ مسلمانوں کے پاس کچھ بھی نہیں۔ ایک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے۔

اب اسلام اور مغربی تہذیب کا تصادم ایک دوسرے ڈھنگ پر ہو رہا ہے۔ یقیناً مغربی تہذیب کسی حیثیت سے بھی اسلام کے مقابلہ کی تہذیب نہیں۔ اگر تصادم اسلام سے ہو تو دنیا کی کوئی قوت اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھیر سکتی۔ مگر اسلام ہے کہاں؟ مسلمانوں میں نہ اسلامی سیرت ہے، نہ اسلامی اخلاق ہیں، نہ اسلامی افکار ہیں، نہ اسلامی اسپرٹ ہے۔ اسلامی روح نہ ان کی مسجدوں میں ہے، نہ مدرسوں میں، نہ خانقاہوں میں۔ عملی زندگی سے اسلام کا ربط باقی نہیں رہا۔ اسلام کا قانون نہ ان کی شخصی زندگی میں نافذ ہے نہ اجتماعی زندگی میں۔ تمدن و تہذیب کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کا نظم صحیح اسلامی طرز پر باقی ہو۔ ایسی حالت میں دراصل مقابلہ اسلام اور مغربی تہذیب کا نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی افسردہ، جامد اور پس ماندہ تہذیب کا ایک ایسی تہذیب سے مقابلہ ہے جس میں زندگی ہے، حرکت ہے، روشنی علم ہے، گرمی عمل ہے۔ ایسے نامساوی مقابلہ کا جو نتیجہ ہو سکتا ہے وہی ظاہر ہو رہا ہے۔ مسلمان پسپا ہو رہے ہیں، ان کی تہذیب شکست کھا رہی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ مغربی تہذیب میں جذب ہوتے چلے جا رہے ہیں، ان کے دلوں اور دماغوں پر مغربیت مسلط ہو رہی ہے۔ ان کے ذہن مغربی سانچوں میں ڈھل رہے ہیں۔ ان کی فکری و نظری قوتیں مغربی اصولوں کے مطابق تربیت پا رہی ہیں۔ ان کے تصورات، ان کے اخلاق، ان کی معیشت، ان کی معاشرت، ان کی سیاست، ہر چیز مغربی رنگ میں رنگی جا رہی ہے، اور ان کی نئی نسلیں اس تخیل کے ساتھ اٹھ رہی ہیں کہ زندگی کا حقیقی قانون وہی ہے جو مغرب سے ان کو مل رہا ہے۔ یہ شکست دراصل مسلمانوں کی شکست ہے، مگر بدقسمتی سے اس کو اسلام کی شکست سمجھا جاتا ہے۔

ایک ملک نہیں جو اس مصیبت میں گرفتار ہو۔ ایک قوم نہیں جو اس خطرے میں مبتلا ہو۔ آج تمام دنیائے اسلام اسی خوفناک انقلاب کے دور سے گزر رہی ہے۔ درحقیقت یہ علماء کا کام تھا کہ جب اس انقلاب کی ابتدا ہو رہی تھی اس وقت وہ بیدار ہوتے، آنے والی تہذیب کے اصول و مبانی کو سمجھتے، مغربی

ممالک کا سفر کرکے ان علوم کا مطالعہ کرتے جن کی بنیاد پر یہ تہذیب اٹھی تھی۔ اجتہاد کی قوت سے کام لے کر ان کارآمد علمی اکتشافات اور عملی طریقوں کو اخذ کر لیتے جن کے بل پر مغربی قوموں نے ترقی کی تھی، اور ان نئے کل پرزوں کو اصول اسلام کے ماتحت مسلمانوں کے تعلیمی نظام اور ان کی تمدنی زندگی کی مشین میں اس طرح نصب کر دیتے کہ کئی صدیوں کے جمود سے جو نقصان پہونچا تھا اس کی تلافی ہو جاتی، اور اسلام کی گاڑی پھر سے زمانہ کی رفتار کے ساتھ چلنے لگتی۔ مگر افسوس کہ علماء (الا ماشاء اللہ) خود اسلام کی حقیقی روح سے خالی ہو چکے تھے۔ ان میں اجتہاد کی قوت نہ تھی۔ ان میں تفقہ نہ تھا۔ ان میں حکمت نہ تھی ان میں عمل کی طاقت نہ تھی۔ ان میں اتنی صلاحیت ہی نہ تھی کہ خدا کی کتاب اور رسول خدا کی علمی و عملی ہدایت سے اسلام کے دائمی اور لچکدار اصول اخذ کرتے اور زمانہ کے متغیر حالات میں ان سے کام لیتے۔ ان پر تو اسلاف کی اندھی اور جامد تقلید کا مرض پوری طرح مسلط ہو چکا تھا جس کی وجہ سے وہ ہر چیز کو ان کتابوں میں تلاش کرتے تھے جو خدا کی کتابیں نہ تھیں کہ زمانے کی قیود سے بالاتر ہوتیں۔ اور ہر معاملہ میں ان انسانوں کی طرف رجوع کرتے تھے جو خدا کے نبی نہ تھے کہ ان کی بصیرت اوقات اور حالات کی بندشوں سے بالکل آزاد ہوتی۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ ایسے وقت میں مسلمانوں کی کامیاب رہنمائی کر سکتے جب کہ زمانہ بالکل بدل چکا تھا اور علم و عمل کی دنیا میں ایسا عظیم تغیر واقع ہو چکا تھا جس کو خدا کی نظر تو دیکھ سکتی تھی مگر کسی غیر نبی انسان کی نظر میں یہ طاقت نہ تھی کہ قرنوں اور صدیوں کے پردے اٹھا کر ان تک پہنچ سکتی۔ اس میں شک نہیں کہ علماء نے نئی تہذیب کا مقابلہ کرنے کی کوشش ضرور کی، مگر مقابلہ کے لیے جس سروسامان کی ضرورت تھی وہ ان کے پاس نہ تھا۔ حرکت کا مقابلہ جمود سے نہیں ہو سکتا۔ رفتار زمانہ کو باتوں کے زور سے نہیں بدلا جا سکتا۔ نئے اسلحہ کے سامنے فرسودہ اور زنگ آلود ہتھیار کام نہیں دے سکتے۔ علماء نے جن طریقوں سے امت کی رہنمائی کرنی چاہی ان کا کامیاب ہونا کسی طرح ممکن ہی نہ تھا۔ جو قوم مغربی تہذیب کے طوفان میں گھر چکی تھی، وہ آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر، اور حواس کو معطل کرکے کب تک طوفان کے وجود سے

انکار کرتی اور اس کے اثرات سے محفوظ رہتی۔ جس قوم پر تمدن و تہذیب کا جدید نظام سیاسی طاقت کے ساتھ محیط ہو چکا تھا وہ اپنی علمی زندگی کو مغلوبی و محکومی کی حالت میں اس سے کہاں تک بچا سکتی تھی آخر کار وہی ہوا جو ایسے حالات میں ہونا چاہیے تھا۔ سیاست کے میدان میں شکست کھانے کے بعد مسلمانوں نے علم اور تہذیب و تمدن کے میدان میں بھی شکست کھائی اور اب ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ دنیائے اسلام کے ہر خطہ میں مغربیت کا طوفان بلا کی تیزی سے بڑھتا چلا جا رہا ہے جس کی رو میں بہتے بہتے مسلمانوں کی نئی نسلیں اسلام کے مرکز سے کوسوں دور نکل گئی ہیں۔

بدقسمتی یہ ہے کہ علماء اسلام کو اب تک اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوا ہے۔ قریب قریب ہر اسلامی ملک میں علماء کی جماعت اب بھی اسی روش پر قائم ہے اور اصرار و شدت کے ساتھ قائم ہے جس کی وجہ سے ابتدا میں ان کو ناکامی ہوئی تھی۔ چند مستثنیٰ شخصیتوں کو چھوڑ کر، علماء کی عام حالت یہ ہے کہ وہ زمانے کے موجودہ رجحانات اور ذہنیتوں کی نئی ساخت کو سمجھنے کی قطعاً کوشش نہیں کرتے۔ جو چیزیں مسلمانوں کی نئی نسلوں کو اسلام سے بیگانہ کر رہی ہیں، ان پر اظہار نفرت تو ان سے جتنا چاہیے کرا لیجیے لیکن اس زہر کا تریاق بہم پہنچانے کی زحمت وہ نہیں اٹھا سکتے جدید حالات نے مسلمانوں کے لیے جو پیچیدہ علمی اور عملی مسائل پیدا کر دیے ہیں ان کو حل کرنے میں ان حضرات کو ہمیشہ ناکامی ہوتی ہے، کیوں کہ ان کا حل اجتہاد کے بغیر ممکن نہیں، اور اجتہاد کو یہ اپنے اوپر حرام کر چکے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات اور اس کے قوانین کو بیان کرنے کا جو طریقہ آج ہمارے علماء اختیار کر رہے ہیں وہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو اسلام سے مانوس کرنے کے بجائے الٹا متنفر کر دیتا ہے۔ اور بسا اوقات ان کے مواعظ سن کر یا ان کی تحریروں کو پڑھ کر دل سے بے اختیار یہ دعا نکلتی ہے کہ خدا کرے کسی غیر مسلم یا بھٹکے ہوئے مسلمان کے چشم و گوش تک یہ صدائے بے ہنگام نہ پہنچی ہو۔ انہوں نے اپنے ارد گرد دو سو برس پرانی فضا پیدا کر رکھی ہے۔ اسی فضا میں

سوچتے ہیں، اسی میں رہتے ہیں اور اسی کے مناسب حال باتیں کرتے ہیں۔ بلا شبہ علوم اسلامی کے چراغ آج دنیا میں انہی بزرگوں کے دم سے قائم ہیں، اور جو کچھ دینی تعلیم پھیل رہی ہے انہی کے ذریعہ سے پھیل رہی ہے، لیکن دو سو برس کی جو وسیع خلیج انہوں نے اپنے اور زمانہ حال کے درمیان حائل کر رکھی ہے وہ اسلام اور جدید دنیا کے درمیان کوئی ربط قائم نہیں ہونے دیتی۔ جو اسلامی تعلیم کی طرف جاتا ہے وہ دنیا کے کسی کام کا نہیں رہتا۔ جو دنیا کے کام کا بننا چاہتا ہے وہ اسلامی تعلیم سے بالکل بیگانہ رہتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس وقت دنیائے اسلام میں ہر جگہ دو ایسے گروہ پائے جاتے ہیں جو بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک گروہ اسلامی علوم اور اسلامی ثقافت کا علمبردار ہے، مگر زندگی کے کسی شعبے میں مسلمانوں کی رہنمائی کے قابل نہیں، دوسرا گروہ مسلمانوں کی علمی، ادبی، تمدنی اور سیاسی گاڑی کو چلا رہا ہے، مگر اسلام کے اصول و مبادی سے ناواقف ہے، اسلامی تہذیب کی اسپرٹ سے بیگانہ ہے، اسلام کے اجتماعی نظام اور تمدنی قوانین سے ناآشنا ہے، صرف دل کے ایک گوشہ میں ایمان کا تھوڑا بہت نور رکھتا ہے، باقی تمام حیثیتوں سے اس میں اور ایک غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں، مگر چونکہ علمی و عملی طاقت جو کچھ بھی ہے اسی گروہ کے ہاتھ میں ہے اور اسی کے دست و بازو میں جو گاڑی چلانے کی طاقت رکھتے ہیں، اس لیے وہ ملت کی گاڑی کو لے کر گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتا چلا جا رہا ہے اور کوئی نہیں جو اس کو سیدھا رستہ بتائے۔

ہم اس حالت کو دیکھ رہے ہیں اور اس کا خوفناک انجام ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اگرچہ رہنمائی کے لیے جس علم و فضل اور جامعیت کی ضرورت ہے وہ ہم کو حاصل نہیں۔ نہ اتنی قوت میسر ہے کہ ایسے بگڑے ہوئے حالات میں اتنی بڑی قوم کی اصلاح کر سکیں، لیکن اللہ نے دل میں ایک درد دیا ہے، اور وہی درد مجبور کرتا ہے کہ جو تھوڑا سا علم اور نور بصیرت اللہ تعالیٰ نے بخشا ہے، اس سے کام لیکر

مسلمانوں کے ان دونوں گروہوں کو اسلامی تعلیم کے اصل منبع اور اسلامی تہذیب کے حقیقی اساس کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دیں، اور کامیابی وناکامی سے بے پروا ہوکر اپنی سی کوشش کر دیکھیں۔ کام کی بزرگی اور اپنی کمزوری کو دیکھ کر اپنی کوششیں خود ہم کو ہیچ میرز معلوم ہوتی ہیں۔ مگر کامیابی اور ناکامی جو کچھ بھی ہے اس قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارا کام کوشش کرنا ہے، اور اپنی حد وسع تک ہم اپنی کوشش کے دائرے کو پھیلانا چاہتے ہیں۔ ڈھائی سال سے اس دعوت کی اشاعت صرف اردو کی تنگ دنیا میں محدود تھی۔ اب خدا کے فضل سے ایک ایسا رفیق کار مل گیا ہے جس نے انگریزی زبان کے ذریعہ سے مغرب اور مشرق کی وسیع دنیا میں اس دعوت کو پھیلانے کا بیڑا اٹھا لیا ہے۔ اگر خدا کو منظور ہے تو آگے چل کر ایسے ہی اور بہت سے رفقا ہم پہنچ جائیں گے جو دوسری زبانوں میں اس خدمت کو انجام دیں گے۔